مولانا ڈاکٹر اکرام اللہ جان قاسمی

انسانی تہذیب پر اسلام کے اثرات

تہذیب کا لفظ بڑے وسیع مفہوم کو شامل ہے۔اس میں ذہنی تصورات کی خوش نمائی اور خارجی اعمال کا حسن دونوں شامل ہیں۔کبھی کبھی اس کیلئے کلچر (Culture) لفظ بھی استعمال ہوتا ہے جس کے لغوی معنیٰ کاشت کاری اور زراعت کے ہیں۔اردو میں تہذیب کے ساتھ لاحقے کے طور پر بالعموم تمدن کا لفظ بھی استعمال ہوتا ہے جس کے لغوی معنی شہر اور بستی بسانے کے ہیں۔تہذیب کا انگریزی مترادف سولیزیشن (Civiliziation) ہے۔تہذیب وتمدن اور کلچر کے یہ سب الفاظ مل کر کسی قوم کے اجتماعی طرزِ حیات کو متعین کرتے ہیں جس میں اس قوم کی مخصوص عادات واطوار' آرٹس اور کرافٹس' رسم ورواج' مذہب اور تقریبات سب شامل ہیں۔

انسانی تہذیب کے ارتقاء کی کہانی بڑی دلچسپ ہے۔ہم حتمی طور پر یہ تو نہیں بتا سکتے کہ اس کرۂ ارض پر انسانی زندگی کی ابتداء کب ہوئی لیکن تاریخی شواہد سے اس قدر ضرور پتہ چلتا ہے کہ ابتدائی انسان کی زندگی بڑی سادہ اور بے تکلف تھی وہ خودرو درختوں کے پھل کھا کر اور قدرتی چشموں سے پانی پی کر زندگی گذارتا تھا۔پھر اس نے پتھر اور دھات سے ہتھیار بنانا سیکھ لیا اور ان ہتھیاروں سے جانوروں کا شکار کر کے لذت کام ودہن کا سامان بہم پہنچانا شروع کر دیا۔یہاں سے اس کا کلچر شروع ہوا پھر اس نے ابتدائی کاشت کاری کو فروغ دے کر قسم قسم کے پھل پھول پیدا کرنے شروع کر دیئے اور اس طرح انسانی کلچر ترقی کی منزلیں طے کرنے لگا۔ ابتدائی انسانوں کو رہنے کیلئے مکان کی ضرورت نہیں تھی وہ قدرتی غاروں کو مسکن بنا کر گذارہ کر سکتا تھا۔پھر رفتہ رفتہ جنگلی جانوروں کے حملوں سے بچنے کیلئے اس نے بے ڈھنگے سے باڑے بنانے شروع کئے اور دشمن کا مقابلہ کرنے کیلئے مل جل کر رہنا سیکھ لیا۔یہاں سے انسانی تمدن شروع ہوا۔ابتدائی مکان بستیوں میں تبدیل ہوئے۔بستیوں سے گاؤں اور قصبے وجود میں آئے۔گاؤں اور قصبے رفتہ رفتہ بڑے بڑے شہر بنتے گئے۔مل جل کر رہنے سے تمدنی مسائل پیدا ہوئے جنہیں حل کرنے کیلئے انسان نے مختلف اداروں کی بنیاد رکھی۔یہ ادارے ترقی پا کر عظیم الشان انسانی تمدن کی بنیاد ثابت ہوئے۔

شروع کا انسان بڑا سادہ اور بے تکلف تھا وہ چلو سے پانی پی لیتا تھا اور درختوں کے پتوں سے تن ڈھانپ لیتا تھا۔رفتہ رفتہ اس کی نفاست پسندی نے چلو کی بجائے برتن ایجاد کر لئے۔پتوں کے بجائے کپڑا بننا سیکھ لیا۔کپڑوں میں کانٹ چھانٹ کر کے مختلف فیشن ایجاد کئے۔رنگوں کی آمیزش نے ذوق نظر کی آبیاری کی اور اس طرح انسانی

تہذیب مختلف مراحل طے کرتی ہوئی کہیں سے کہیں جا پہنچی۔......

قرآن ہمیں بتاتا ہے کہ اس کرۂ ارض پر آباد ہونے والا پہلا انسان براہِ راست خدا سے ہدایت یافتہ تھا۔ تہذیبی لحاظ سے اس کی زندگی خواہ کیسی ہی ہو ذہنی لحاظ سے وہ صاحب ایقان اور پکا مسلمان تھا۔ وہ اس کرۂ ارض پر خدا کا خلیفہ تھا اور جزا و سزا کے تصور سے بخوبی آگاہ تھا۔ اگر چہ وہ جنت سے نکل آیا تھا لیکن جنت کا تصور اسکے دل سے محو نہیں ہوا تھا اسے خوب پتہ تھا کہ اس کا فردوسِ گم گشتہ اسے دوبارہ مل سکتا ہے بشرطیکہ اسکے پاس حسنِ عمل کی پونجی ہو لہٰذا اپنے آقا و مالک کی خوشنودی حاصل کرنا اس کا مقصد زندگی تھا۔ یہ مذہبی حس آدمؑ سے اس کی اولاد کو ودیعت ہوتی رہی اور اس طرح تہذیبی ترقی کے ساتھ ساتھ ذہنی اور روحانی سفر کی منزلیں بھی طے ہوتی رہیں۔

تہذیبیں بنتی اور بگڑتی ہیں:

انسانی تہذیب کے ارتقاء کی کہانی دلچسپ بھی ہے اور عبرت انگیز بھی۔ کیونکہ تہذیبیں پیدا ہوتی' جوان ہوتی اور پھر ختم بھی ہوتی رہی ہیں۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ حضورﷺ سے قبل قومی تہذیبیں ہوا کرتی تھیں کیونکہ اس زمانے تک انسانی زندگی قومی اور ملکی دائروں تک محدود تھی اور یہ دائرے اس قدر سخت تھے کہ کوئی شخص ایک دائرے سے نکل کر کسی دوسرے دائرے میں قدم رکھنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اسی بناء پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی قومی نبی آتے رہے جو صرف اپنی ہی قوم کی اصلاح پر مامور ہوا کرتے تھے۔ قرآن میں ارشاد ہے وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ''ہر قوم کیلئے ہادی اور رہنماء آتے رہے ہیں'' پوری انسانی برادری کا تصور ختم المرسلین حضرت محمد ﷺ سے شروع ہوا۔ جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ ''ہم نے آپ ﷺ کو تمام جہانوں کیلئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔'' پہلے تمام انبیاء اپنی قوم کو ''**یا قومی**'' کہہ کر خطاب کرتے تھے قرآن نے پہلی مرتبہ ''يَا أَيُّهَا النَّاسُ ''یعنی اے لوگو! کہہ کر خطاب کرنا شروع کیا۔ یعنی اب وہ وقت تھا جب تمام اقوام ایک عالمی برادری میں مدغم ہونے کیلئے تیار تھے۔ اس لئے قوم نوح' قوم عاد' قوم ثمود کے برخلاف امت مسلمہ محمد ﷺ کسی قومی دائرے میں محدود نہیں ہوئی بلکہ تمام روئے زمین پر پھیلی ہوئی ہیں۔

دوسری بات قرآن ہمیں یہ بتاتا ہے کہ سابقہ اقوام کی تہذیبیں اخلاقی انحطاط کی بناء پر مٹتی رہی ہیں۔ جب کسی قوم میں فسق و فجور حد سے بڑھ جاتا اور اس قوم کی اصلاح کی کوئی گنجائش باقی نہ رہتی تو وہ تہذیب آپ اپنی موت مر جاتی۔ قرآن میں ارشاد ہوتا ہے وَإِذَا أَرَدْنَا أَن نُّهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا فَفَسَقُوا فِيهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنَاهَا تَدْمِيرًا ۝ (بنی اسرائیل:۱۶) ''جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو اسکے خوشحال لوگوں کو حکم دیتے ہیں اور وہ اس میں نافرمانیاں کرنے لگتے ہیں۔ تب عذاب کا فیصلہ اس بستی کو آلیتا ہے اور ہم اسے برباد کر کے رکھ دیتے ہیں۔''

انہیں مترفین کے فسق و فجور کی وجہ سے قوم عاد تباہ ہوئی۔ قوم ثمود ہلاک ہوئی اور مترفین کا یہی فسق و فجور طوفان نوح کا باعث بنا۔ اس سے پتہ چلا کہ پہلے بھی تہذیبیں عروج کو پہنچتی اور پھر اخلاقی انحطاط کی بناء پر زوال آشنا ہوتی رہی ہیں۔ قدیم تاریخ سے مندرجہ ذیل تہذیبوں کے عروج و زوال پر روشنی پڑتی ہے۔

(۱) چینی تہذیب (۲) مصری تہذیب (۳) دجلہ و فرات کے درمیانی علاقے یعنی میسوپوٹیمیا عراق کی تہذیب (۴) قدیم ایرانی تہذیب (۵) بھارت درشی کی تہذیب (۶) قدیم رومی تہذیب (۷) قدیم یونانی تہذیب۔

یہ چند نمایاں اقوام تھیں جن کی تہذیبی جھلکیاں قدیم لٹریچر میں نظر آتی ہیں ورنہ ان کے علاوہ بے شمار تہذیبیں پیدا ہوئیں اور اخلاقی انحطاط کے ہاتھوں مٹتی رہی ہیں۔

قبل از اسلام عرب کی تہذیبی حالت :

انسانی تہذیب کی تعمیر میں اسلام کا حصہ متعین کرنے سے پہلے قبل از اسلام عربوں کی تہذیبی حالت کا مطالعہ خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔ جزیرہ نمائے عرب قدیم زمانہ میں بعض اعلیٰ تہذیبوں کا نظارہ کر چکا تھا۔ یمن کے ساحلی علاقے میں ولادت مسیحؑ سے ہزار سال قبل حمیر اور سبا کی متمدن حکومتیں قائم تھیں۔ اس زمانے کی عالی شان عمارتوں کے آثار آج بھی موجود ہیں۔ ملکہ سبا کا ذکر قرآن میں بھی موجود ہے۔ سبا کی حکومت نے سدّ مآرب نامی بند باندھ کر زراعت کو بے حد ترقی دی تھی۔ یہ تو ماضی بعید کی بات تھی لیکن اسلام سے قبل ماضی قریب میں عربوں کی تمدنی زندگی کا برا حال تھا۔ وہ علم و ہنر سے بالکل نابلد اور کورے ان پڑھ تھے۔ تیر اندازی' نیزہ بازی اور شمشیر زنی کے علاوہ اور کوئی ہنر نہ جانتے تھے۔ خیمہ ان کا محل تھا اور کسی جانور کی کھال ان کا پر تکلف اور آرام دہ بستر۔ اگر چہ عربوں کو اپنی زبان پر بڑا ناز تھا لیکن ان کا تحریری سرمایہ نہ ہونے کے برابر تھا صرف چند لوگ لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ اسی طرح صنعت و حرفت سے بھی عربوں کو کوئی لگاؤ نہ تھا۔ البتہ اونٹ کی اون سے عورتیں کمبل اور خیمے وغیرہ بنا لیا کرتی تھیں۔

عربوں کو شعر و شاعری کا بڑا شوق تھا۔ شعراء اپنا کلام میلوں وغیرہ میں پڑھتے تھے۔ عکاظ کا میلہ جو تقریباً ایک ماہ تک جاری رہتا تھا۔ ادبی سرگرمیوں کا موسم بہار سمجھا جاتا تھا۔ شعراء کے بہترین کلام لکھ کر خانہ کعبہ کی دیوار کے ساتھ لٹکایا جاتا تھا جنہیں معلقات کہا جاتا ہے۔ علم نجوم اور قیافہ میں عربوں کو بڑی مہارت تھی۔ اگر کسی مقام سے اونٹوں کا کوئی قافلہ گزر جاتا تو عرب اونٹوں کی مینگنیاں سونگھ کر بتا دیتے تھے کہ یہ قافلہ کس قبیلہ کا ہے۔ کہاں سے آیا تھا اور کس طرف چلا گیا۔ مکہ اور مدینہ جزیرہ نمائے عرب کے بڑے شہر تھے لیکن ان شہروں کے تمدن کا یہ حال تھا کہ گھروں میں جائے ضرورت نہ ہوتی تھی اور رفع حاجت کیلئے مستورات کو باہر جانا پڑتا تھا۔ رات کو گھروں میں چراغ نہیں جلتے تھے۔ دروازوں میں کواڑ نہیں ہوتے تھے۔ کپڑوں کے پردے لٹکائے جاتے تھے۔ آٹا چھاننے کیلئے چھانی کا استعمال نہیں ہوتا تھا۔ پھونک مار کر بھوسی اڑائی جاتی تھی۔ شقاوت قلبی کا یہ حال تھا کہ زندہ جانور سے گوشت کا ایک حصہ کاٹ کر پکا لیا جاتا

تھا۔اور باقی جانور کو اذیت کی حالت میں چھوڑ دیا جاتا۔بعض قبائل بچیوں کو زمین میں زندہ گاڑ دیتے تھے۔جانوروں کو باندھ کر تیر اندازی کی مشق کی جاتی تھی اور دشمن کی لاش کا مثلہ کیا جاتا تھا۔

مذہبی اور اخلاقی حالت :

مذہبی لحاظ سے عرب سخت توہم پرست واقع ہوئے تھے۔چھوٹی چھوٹی باتوں پر فال نکالنے کا رواج تھا کاہنوں اور نجومیوں کی خوب چاندی تھی۔اگرچہ توحید کا قدیم ترین مرکز یعنی خانہ کعبہ مکہ میں واقع تھا لیکن عرب بت پرستی میں مبتلا تھے۔حتیٰ کے خانہ کعبہ کے اندر اور چھت پر بھی بت نصب تھے۔ہر قبیلے کا بت جدا تھا۔مختلف حاجات کیلئے مختلف بت مخصوص تھے۔بتوں پر آدمیوں کی قربانی چڑھائی جاتی تھی۔قمار بازی' شراب خوری اور زنا کاری کا عام رواج تھا۔بے حیائی کا یہ عالم تھا کہ عربوں کا سب سے بڑا شاعر امرء القیس اپنی بدکاری کا قصہ مزے لے لیکر بیان کرتا ہے۔لڑائیوں میں لوگوں کو زندہ جلا دینا' مستورات کے پیٹ چاک کر ڈالنا' معصوم بچوں کو تہ تیغ کرنا عموماً جائز خیال کیا تھا۔ازواج کی کوئی حد نہ تھی۔باپ کی منکوحہ بیٹے کو وراثت میں ملتی تھی۔حقیقی بہنوں کے ایک ساتھ شادی جائز تھی۔

یہ تھی وہ تمدنی اور تہذیبی کیفیت جس میں عرب مبتلا تھے۔اب ہم دیکھیں گے کہ اسلام نے ان عربوں کی حالت میں کیا انقلاب برپا کیا۔اور انسانی تہذیب کی تعمیر میں کیا رول ادا کیا۔

اسلامی دور میں علمی ترقی:

کسی قوم کی تہذیبی ترقی ماپنے کا سب سے بڑا آلہ یہ ہے کہ اس قوم کی علمی حالت پر نظر ڈالی جائے۔یہ بات تو سب کو معلوم ہے کہ اسلام سے قبل عربوں کی علمی حالت کیا تھی۔پورے ملک میں کوئی مدرسہ نہ تھا۔گنتی کے چند افراد لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔تحریری سرمایہ صفر تھا۔اس علمی کم مائیگی کا مقابلہ جب ہم اس عظیم الشان علمی ترقی سے کرتے ہیں جو اسلام کی وساطت سے عمل میں آئی تو انسان حیران رہ جاتا ہے۔کیا یہ بات کچھ کم حیران کن ہے کہ دورِ جاہلیت کے بے علم اور اَن پڑھ عرب اسلام قبول کرنے کے بعد علمی دنیا کے مسند نشین بن گئے اور کئی صدیوں تک دنیا کو علم کی روشنی سے منور کرتے رہے جو علمی تحریک ابتداء میں اصحاب صفہ سے شروع ہوئی۔وہ ترقی کرتے کرتے عظیم الشان یونیورسٹیوں پہ منتج ہوئی۔اس کے مقابلے میں یورپ کی حالت یہ تھی کہ جس زمانے میں قاہرہ میں جامعہ ازہر اور بغداد میں جامعہ نظامیہ کا طوطی بول رہا تھا اس زمانہ میں یورپ جہالت کی اتھاہ تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔

تصنیف وتالیف :

آغاز اسلام ہی میں تصنیف وتالیف کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔شاعر رسالت حضرت حسان بن ثابتؓ کا دیوان' حضرت علیؓ کا مجموعہ خطوط وخطبات (نہج البلاغہ) ان کا مجموعہ اشعار' حضرت ابو ہریرہؓ ' حضرت عبداللہؓ بن عمرو بن العاص' حضرت انسؓ اور دیگر بیسیوں صحابہ کے مجموعہ ہائے احادیث' حضور ﷺ کے معاہدات ومکتوبات

اور حضرت ابن عباسؓ کی تفسیر اس پر شاہد ہیں۔ حضور ﷺ کے بعد اس سلسلہ کو صحابہؓ تابعین اور تبع تابعین نے جاری رکھا۔ یزید اول (۶۰ھ تا ۶۴ھ) کے بیٹے خالد نے ایک دارالترجمہ قائم کیا۔ پھر بنو عباس کے زمانے میں دنیا بھر کی کتابیں عربی میں ترجمہ ہوگئیں اور حکمت یونان پھر سے زندہ ہوگئی۔ تصنیف و ترجمہ کی یہ تحریک اس قدر مقبول ہوئی کہ تمام اسلامی دنیا میں کتابوں کے انبار لگ گئے۔ کتابوں کی کثرت کا اندازہ اس واقعہ سے لگ سکتا ہے کہ مشہور مؤرخ الواقدی نے ۲۰۶ھ میں وفات پائی تو اس کے گھر سے کتابوں کے چھ صندوق نکلے۔ علم کی محبت دیکھئے کہ مامون الرشید (۱۹۸ھ۔ ۲۱۸ھ) نے قیصر روم مائیکل دوم سے اس بات پر صلح کی کہ وہ استنبول کا ایک کتب خانہ بغداد بھیج دے۔ چنانچہ عالم اسلام میں بڑی بڑی لائبریریاں قائم ہوگئیں جن میں بغداد، قاہرہ اور قرطبہ کی لائبریریاں بہت مشہور ہیں۔ قرطبہ کی لائبریری خلیفہ الحکم دوم (۳۶۶ھ) نے قائم کی تھی۔ اس لائبریری میں کتابوں کی تعداد چھ لاکھ تک پہنچ گئی۔ جن کی فہرست ۴۵ جلدوں میں مرتب ہوئی تھی۔ یہ فہرست آج بھی میڈرڈ کی اسکوریل لائبریری میں موجود ہے۔ ۳۸۶ھ میں مصر کی فاطمی لائبریری میں ایک لاکھ بیس ہزار کتابیں موجود تھیں۔ بغداد کی لائبریریوں میں اس قدر کتابیں تھیں کہ جب تاتاریوں نے دریائے دجلہ عبور کرنا چاہا تو کتابوں کی ہزارہا گٹھڑیاں پانی میں پھینک دیں۔ بیشتر تو بہہ گئیں لیکن کچھ بھاری ہو کر تہہ میں بیٹھ گئیں ان پر اور گٹھڑیاں آتی گئیں یہاں تک کہ دریا پر ایک پشتہ سا بن گیا جس پر تاتاری لشکر پیدل چل کر پار نکل گیا۔

سرکاری کتب خانوں کے علاوہ پرائیویٹ کتب خانے بھی تھے۔ امراء کو ذاتی لائبریریاں قائم کرنے کا شوق تھا، جب یاقوت حموی (۶۲۵ھ) مرو میں گیا تو اس نے شہر میں بارہ لائبریریاں دیکھیں جن میں سے ایک میں بارہ ہزار کتابیں تھیں۔ حماۃ (شام) کے والی ابوالفداء اسماعیل کے پاس ایک ایسا کتب خانہ تھا جس میں دو سو علماء اور کاتبین تصنیف و کتابت پر مقرر تھے۔ قرطبہ کے ایک قاضی ابوالمطرف (۴۲۰ھ) کے ہاں اتنی بڑی لائبریری تھی کہ اس کی وفات پر جب فروخت ہوئی تو اس کے ورثاء کو چار لاکھ دینار وصول ہوئے۔ جب بغداد کا ایک عالم الہیقانی (۴۲۵ھ) اپنے منصب سے سبکدوش ہونے کے بعد گھر روانہ ہوئے تو ان کی کتابیں ۶۵ گٹھڑیوں میں اٹھائی گئیں۔ اندلس کے صرف ایک شہر قرطبہ میں ۷۲ لائبریریاں تھیں جسے مسلمانوں کے زوال کے بعد متعصب عیسائیوں نے جلا دیا۔ ڈاکٹر ڈریپر لکھتا ہے کہ مسلمانوں نے طرابلس میں ایک عظیم الشان لائبریری بنائی تھی جس میں کتابوں کی تعداد ۳۰ لاکھ کے قریب تھی۔ ایک مرتبہ صلیبیوں کا ایک لشکر وہاں سے گزرا تو اس نے تمام کتابیں جلا ڈالیں۔

علماء فضلاء :

قرون وسطیٰ میں عالم اسلام نے ہر فن میں بڑے بڑے علماء پیدا کئے۔ یہ علماء اس قدر کثیر تعداد میں تھے کہ ان کا احاطہ کرنا مشکل ہے۔ ان میں سے بہت سے علماء کی تصنیفات ترجمہ ہو کر یورپ پہنچیں جن سے وہاں احیائے علوم

کی تحریک نے جنم لیا۔ مسلمان علماء کی یہ خوشہ چینی آج تک جاری ہے اور متعدد یورپی مستشرقین اسلامی علوم کو مغربی زبانوں میں منتقل کرنے میں مشہور ہیں مثلاً ابوالفداء کی تاریخ کا ترجمہ ۱۸۱۶ء میں امبریت نے شائع کیا۔ ابن بطوطہ کے سفرنامہ کی تدوین ایچ اوپٹز (Hoapetz) نے ۱۸۱۹ء میں کی۔ مقامات حریری کی تدوین۔ سی۔ آئی۔ ایس۔ ہائی پر نے ۱۸۳۲ء میں شائع کی۔ ابن خلدون کی تاریخ اے۔ نوئل نے ۱۸۴۱ء میں مدون کی۔ ابن خلکان کی کتاب وفیات الاعیان کی تدوین سلین (Slane) نے ۱۸۴۲ء میں کی۔ بلاذری کی تاریخ ''فتوح البلدان'' گوجے نے ۱۸۰۶ء میں مدون کی۔ ابوالفرج اصفہانی کی مشہور کتاب ''الاغانی'' کی تدوین مختلف ایڈیٹروں نے مل کر ۱۸۶۸ء میں سرانجام دی۔

الف لیلہ کا ترجمہ برٹن نے ۱۸۹۹ء میں شائع کیا۔ جس کے متعدد ایڈیشن نکل چکے ہیں۔ اسی طرح فارابی' جاحظ' معری' البیرونی اور دیگر علمائے اسلام کی تصنیفات بھی یورپی زبانوں میں ترجمے ہو چکی ہیں۔ یہ سب اس بات کا ثبوت ہے کہ انسانی تہذیب کے ارتقاء میں اسلام نے نہ صرف بھرپور حصہ لیا بلکہ اس نے عالمی لٹریچر کو مالا مال کیا اور آج تک اغیار اس کی خوشہ چینی میں مصروف ہیں۔

اسلامی دور کی تمدنی ترقی :

تہذیب وتمدن لازم وملزوم ہے کوئی قوم اس وقت تک مہذب نہیں کہلا سکتی جب تک وہ تمدنی طور پر ترقی یافتہ نہ ہو۔ تمدنی ترقی سے مراد یہ ہے کہ نئے نئے شہر بسائے جائیں اور عوام کو شہری سہولتیں مہیا کی جائیں تاکہ وہ صاف ستھری اور خوشگوار زندگی بسر کر سکیں۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو اسلامی تمدن کئی صدیوں تک دنیا پر حکمرانی کرتا نظر آتا ہے۔ مسلمانوں نے کامل منصوبہ بندی سے بے شمار نئے نئے شہر آباد کئے جو اپنے زمانے کی بہترین تمدنی سہولتوں سے آراستہ تھے۔ کھلی سڑکیں' رات کو روشنی کا بندوبست' عوامی غسل خانے' پبلک لائبریریاں' صاف ستھرے اور کشادہ مکانات' خوبصورت عبادت گاہیں۔ غرضیکہ تمدنی زندگی کی ہر سہولت موجود تھی۔ مثال کے طور پر ہم صرف دو شہروں کی تمدنی زندگی کا نقشہ پیش کرتے ہیں جو اپنے زمانے کے مشہور ترین ثقافتی مرکز تھے۔

بغداد :

اس شہر کی بنیاد دوسرے عباسی خلیفہ منصور نے دریائے دجلہ کے مغربی کنارے پر ڈالی تھی۔ اس کی تعمیر پر ایک لاکھ مزدور چالیس سال تک کام کرتے رہے۔ یہ شہر دائرے کی شکل کا تھا اس کی دو فصیلیں تھیں۔ اندرونی فصیل امراء و وزراء کے گھروں اور شاہی محلات کے گرد تھیں اور نوے فٹ اونچی تھی۔ دوسری فصیل پورے شہر کے گرداگرد تھی۔ شاہی محل کے دیوان عام کا گنبد ایک سو تیس فٹ بلند تھا اس کے عین اوپر ایک نیزہ بردار سوار کا مجسمہ تھا۔ رفتہ رفتہ یہ شہر دولت' تجارت' علوم وفنون اور بین الاقوامی سیاست کا مرکز بن گیا اس کی شان وشوکت دیکھ کر سیاحت متحیر رہ جاتے

تھے۔ یہ شہر ملت اسلامیہ کی عظمت' عزت اور آسودہ حالی کی علامت تھا۔ عہد مامون (۱۹۸ھ تا ۲۱۸ھ) میں بغداد کی آبادی دس لاکھ تھی۔ اس میں تیس ہزار مساجد' دس ہزار حمام' ایک ہزار محل اور آٹھ سو ساٹھ مطب تھے۔ نیز علوم وفنون کا مرکز بیت الحکمت قائم کیا گیا تھا۔ جس میں سینکڑوں علماء وحکماء تالیف وترجمہ پر مامور تھے۔ سڑکوں پر روزانہ گلاب اور کیوڑے کا عرق چھڑکا دیا جاتا تھا اور جب خلیفہ کی سواری نکلتی تھی تو اس کے آگے پیچھے دس ہزار سوار ہوتے تھے۔

بغداد کے گھاٹ میلوں میں پھیلے ہوئے تھے جو ہر وقت تفریحی کشتیوں' شکاری اور جنگی جہازوں سے پر رہتے تھے۔ تجارتی جہاز ہر قسم کا سامان مثلاً کپڑا' زیور اور شیشہ وغیرہ لے کر دور دراز ممالک کو جاتے تھے۔ یہ تاجر واپسی پر چین سے مشک اور ریشم' ہند سے مسالے' رنگ اور معدنیات' روس سے شہد اور موم' افریقہ سے ہاتھی دانت اور سونا' مصر سے چاول' گندم اور ململ' شام سے پھل اور ایران سے قالین اور عطریات لے کر آتے تھے۔ اس تجارت کا نتیجہ یہ ہوا کہ بغداد کی دکانیں ہر قسم کے سامان سے لد گئیں۔ اور دنیا بغداد کو "ملکۂ عالم" کہنے لگی۔

بیت الحکمت :

بغداد کا ذکر اس وقت تک مکمل نہیں ہوتا جب تک بیت الحکمت کا ذکر نہ کیا جائے جسے عباسی خلیفہ مامون الرشید نے قائم کیا تھا۔ یہ عربوں کی علمی تحریک کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ ابتداء میں یہ غیر ملکی تصنیفات کے ترجمے کیلئے قائم کیا گیا لیکن بعد میں یہ ہمہ جہت علمی ادارہ بن گیا۔ اس بیت الحکمت میں ہند' یونان اور ایران کے فلسفے' طب' ہیئت' تاریخ اور دیگر علوم کو عربی میں منتقل کیا گیا۔ یہ ادارہ ایک سو سال تک زندہ رہا۔ اس نے اتنا کام کیا کہ مشرق و مغرب کی لائبریریاں کتابوں سے بھر گئیں۔ اس کے مقابلے میں اس وقت یورپ کا کیا حال تھا۔ اس کا اندازہ مشہور انگریز مؤرخ فلپ ہٹی کے بیان سے لگ جائے گا۔ ہٹی لکھتا ہے کہ "جس وقت ہارون اور مامون یونان وایران کے علوم وفنون کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر عربی میں منتقل کر رہے تھے اور یونانی فلسفہ پر ریسرچ کر رہے تھے اس وقت فرانس کا بادشاہ شارلیمان اور اس کے لارڈز اپنے نام لکھنے کی مشق میں معروف تھے۔" (The Arabs - page 92)

سپین کی اسلامی حکومت :

عرب کے بعد اسلامی تہذیب کا دوسرا بڑا مرکز اندلس کی اسلامی حکومت تھی۔ ۱۳۱ھ میں جب عرب میں بنو امیہ کا اقتدار ختم ہوا تو ایک نوجوان اموی شہزادہ عبدالرحمٰن جان بچا کر اندلس پہنچا اور وہاں اس نے عیسائی حکمرانوں کو شکست دے کر اموی خاندان کی حکومت قائم کر دی۔ اس خاندان کے ۱۶ بادشاہوں نے ۴۲۲ھ تک حکومت کی۔ مجموعی طور پر مسلمان ۸۰۰ سو برس تک سپین پر حکومت کرتے رہے انہوں نے اپنے دور حکومت میں سپین کو بڑی ترقی دی۔ بڑے بڑے شہروں کو باغوں' نہروں' فواروں' کشادہ راستوں' پختہ گلیوں اور حسین عمارات سے آراستہ کیا۔ پہاڑی چشموں کا پانی گھروں تک پہنچایا۔ غرناطہ کے باہر ایک پرشکوہ محل تعمیر کیا جس کے پائین باغ میں انار' ناشپاتی اور آڑو

کے پودے لگائے۔ یہیں عبدالرحمن نے کھجور کا وہ پودا لگایا جو اس کے وطن دمشق سے آیا تھا۔ اس پودے کو مخاطب کر کے اس نے بڑے خوبصورت شعر کہے جنہیں علامہ اقبالؒ نے اردو کا جامہ پہنایا ہے۔

قرطبہ : سپین کی اسلامی حکومت کا دارالخلافہ قرطبہ کا شہر تھا۔ بغداد کی طرح یہ بھی عظیم الشان تہذیبی مرکز تھا۔ عبدالرحمن نے ۷۸۶ھ میں یہاں ایک عظیم مسجد کی بنیاد ڈالی جسے بعد کے خلفاء نے مزید وسعت دی اور یہ یورپی مسلمانوں کا روحانی مرکز بن گئی۔ حضرت علامہؒ نے مسجد قرطبہ پر ایک بڑی پرسوز نظم کہی ہے جو بانگ درا میں دیکھی جاسکتی ہے۔ قرطبہ بڑا خوبصورت شہر تھا۔ اموی دور میں اس شہر کی آبادی ۵ لاکھ تک پہنچ گئی تھی۔ اس میں ۳ سو حمام اور ۷۰۰ مساجد تھیں۔ شاہی محل جو عبدالرحمن سوم کی ایک بیوی زہرا کی وجہ سے قصرالزہرا کہلاتا تھا۔ وادیٔ الکبیر کے کنارے تعمیر ہوا تھا۔ اس میں ۴۰۰ سو کمرے تھے اس کیلئے سنگ مرمر' مراکش سے اور دیگر سامان آرائش قسطنطنیہ سے آیا تھا۔ اس پر دس ہزار مزدور بیس سال تک کام کرتے رہے۔ چرم سازی' ریشم بافی اور شیشے اور تانبے کی ظروف سازی قرطبہ کی خصوصی صنعتیں تھیں۔ یہاں ایک عظیم الشان یونیورسٹی بھی قائم کی گئی جس میں مقامی طلباء کے علاوہ افریقہ' ایشیاء اور یورپ کی مختلف ریاستوں سے طالبان علم آتے تھے۔ بڑی بڑی تنخواہوں پر قاہرہ' دمشق اور بغداد سے پروفیسر منگوائے گئے۔ یونیورسٹی میں ایک عظیم الشان لائبریری بھی تھی جس میں چار لاکھ کتابیں تھیں۔ ان کی فہرست ۴۴ جلدوں میں مرتب ہوئی۔ پروفیسر فلپ ہٹی (Hitti) لکھتا ہے۔

''عبدالرحمن سوم کے زمانے میں قرطبہ بہت بڑا شہر بن گیا۔ اس میں ایک لاکھ تیرہ ہزار گھر' ستر لائبریریاں' میلوں پختہ گلیاں اور ہزاروں مساجد تھیں۔ رات کو شہر میں روشنی ہوتی تھی جب کہ باقی یورپ کا یہ حال تھا کہ پیرس اور لندن جیسے شہروں کی گلیاں کیچڑ سے اٹی رہتی تھیں اور وہاں ۸۰۰ سو سال بعد تک کسی گلی میں کوئی لیمپ نصب نہیں ہوا۔''

اسلامی فن تعمیر :

اسلامی ثقافت کی سب سے خوبصورت جھلک مسلمانوں کے فن تعمیر میں نظر آتی ہے۔ اسلامی فن تعمیر کی ابتدا گارے کے ایک چھپر یعنی مسجد نبوی سے ہوئی۔ لیکن یہی فن بعد میں ترقی کرتے کرتے مسجد قرطبہ' الحمراء اور تاج محل تک جا پہنچا۔ اسلامی فن تعمیر کی نمایاں خصوصیات محراب' گنبد' مینار' حوض' وسیع صحن' جالیاں' نظر فریب کتبے اور حسین نقش و نگار ہیں اسی طرح شاہی عمارات کے اجزائے ترکیبی بلند دروازے' برج' اونچی محرابیں' چشمے اور فوارے ہیں۔ مسلمانوں نے ہر قوم سے اچھی چیزیں لے کر انہیں اپنے نظریات کے سانچوں میں ڈھال لیا اور یوں ایک منفرد فن تعمیر ایجاد کیا۔ پوری دنیا میں اسلامی فن تعمیر کے نمونے پھیلے ہوئے ہیں۔ جن میں مسجد نبوی' مسجد اقصیٰ' جامعہ قیروان' جامعہ دمشق' مسجد قرطبہ' مسجد احمد طولون' جامع ازہر اور ہندوستان میں بے شمار مساجد کے علاوہ تاج محل شامل ہیں۔ یہ تمام عمارات اس قدر دلآویز ہیں کہ سینکڑوں سال گزر جانے کے باوجود آج بھی پوری آب و تاب کے ساتھ دیکھنے

والوں کو دعوت نظارہ دیتی ہیں۔

اسلامی فن خطاطی :

اگر چہ مسلمانوں نے مصوری اور سنگ تراشی میں بھی اپنی جودت طبع کے خوبصورت نمونے پیش کئے لیکن جو یکتائی انہیں فن کتابت میں حاصل ہوئی وہ کسی دوسرے فن میں حاصل نہ ہوسکی۔ مصوری اور سنگ تراشی میں مسلمان اس لئے زیادہ پیش قدمی نہ کر سکے کہ یہ فنون اسلامی تعلیمات سے متصادم تھے اس کے برخلاف قرآن پڑھنا اور لکھنا چونکہ باعث ثواب تھا۔ اس لئے مسلمانوں نے فنون لطیفہ میں سب سے زیادہ توجہ فن کتابت پر مرکوز کی۔ فن کتابت خالص مسلمانوں کا فن ہے۔ اس میں کوئی اور قوم ان کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ مسلمان اس فن کے اس قدر گرویدہ رہے ہیں کہ بڑے بڑے بادشاہ بھی قرآن لکھ کر ثواب کماتے رہے ہیں۔ ان سلاطین میں سلطان ابراہیم غزنوی (۱۰۵۹ء تا ۱۰۹۹ء) 'خاندان غلامان کا سلطان ناصر الدین' اور خاندان مغلیہ کا سلطان عالمگیر اورنگزیب" شامل ہیں۔ مسلمانوں میں خطاط ہر زمانے میں موجود رہے ہیں۔ مسلمانوں کی کوئی پرانی یادگار ایسی نہیں جو آیات واشعار سے آراستہ نہ ہو۔ ان خطاطوں کی تعداد اس قدر زیادہ ہے کہ ان سب کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا۔ انہوں نے نئے نئے خط ایجاد کئے اور ایسی ایسی جدتوں سے کام لیا کہ کتابت فنون لطیفہ میں شمار ہونے لگی۔

قرون وسطیٰ میں یورپ کی حالت :

جس زمانے میں اسلامی تہذیب اپنے پورے عروج پر تھی اور انسانی زندگی کو ادب وثقافت سے مالا مال کر رہی تھی اس زمانے میں یورپ کی کیا حالت تھی۔ یہ جاننا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ قرون وسطیٰ میں یورپ جہالت اور بربریت میں ڈوبا ہوا تھا۔ لوگ کچے مکانوں اور جھونپڑوں میں رہتے تھے۔ پتے کھاتے اور کھالیں پہنتے تھے۔ ان کی گلیوں میں جابجا کوڑے کے ڈھیر اور جوہڑ تھے۔ ہر طرف بے راہ جنگل تھے جن میں ڈاکوؤں اور آدم خوروں کا بسیرا تھا۔ تہذیب وتمدن اور علوم وفنون کا نشان تک نہ تھا۔ یورپ میں کاغذ مسلمانوں کے ہمراہ پہنچا۔ اس سے پہلے وہاں لکھنے کیلئے پتے' پتھر اور جھلیاں استعمال ہوتی تھیں۔ چونکہ جھلی (پارچمنٹ) تیار کرنے میں بڑا وقت' محنت اور روپیہ صرف ہوتا تھا اس لئے جھلی بڑی کامیاب تھی۔ جب کوئی شخص کوئی نئی کتاب لکھنے لگتا تو وہ استعمال شدہ جھلی سے پرانی تحریر دھو کر نئی تحریر لکھ لیتا۔ یہی وجہ ہے کہ جب ۱۱۷۱ء میں مسلمان یورپ پہنچے تو وہاں کوئی لائبریری موجود نہ تھی۔ قدیم یونانی فلاسفر ارسطو اور افلاطون کی کتابیں ایتھنز اور استنبول کے تہہ خانوں میں صدیوں سے مقفل پڑی تھیں۔ پورے یورپ میں صرف چند کتابیں تھیں اور وہ بھی چند خوش قسمت افراد کے پاس۔ باقی کہیں کوئی علمی نشان نہیں ملتا تھا۔ قرون وسطیٰ میں یورپ کے امراء کو علم وادب سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ ان کا کام عیاشی' بردہ فروشی اور مے نوشی تھا۔ بڑے بڑے شہروں مثلاً لندن' پیرس اور برلن کی سڑکوں پر فضلے کے ڈھیر لگے رہتے تھے۔ رات کو روشنی کا کوئی انتظام نہ تھا۔ جو شخص رات کو گھر

سے نکلتا تو وہ عموماً کیچڑ میں لت پت ہو جاتا تھا۔ نہانا اتنا بڑا گناہ تھا کہ جب پاپائے روم نے جرمنی کے بادشاہ فریڈرک دوم (۱۲۱۲ء تا ۱۲۵۰ء) پر کفر کا فتویٰ لگایا تو فہرست الزامات میں یہ الزام بھی شامل تھا کہ یہ شخص مسلمانوں کی طرح ہر روز غسل کرتا ہے۔ جب سپین میں اسلامی سلطنت کو زوال آیا تو فلپ دوم (۱۵۵۶ء تا ۱۵۹۸ء) نے تمام حمام اسلئے بند کر دیئے کہ ان سے مسلمانوں کی یاد تازہ ہوتی ہے۔ اس بادشاہ نے اپنے ایک گورنر کو محض اس جرم میں معزول کر دیا کہ وہ مسلمانوں کی طرح روزانہ ہاتھ پاؤں دھوتا تھا۔ مذہب اور گندگی اس قدر لازم وملزوم تھے کہ جب کنٹربری کا لاٹ پادری باہر نکلتا تو اس کی قبا پر جوئیں قطار در قطار نظر آتی تھیں۔ برٹنڈرسل "نکاح اور اخلاق" کے صفحہ ۲۰۲ پر رقمطراز ہیں" عیسائیت نے غسل کی عادت کی اس لئے مذمت کی کہ اس سے جسم میں دلکشی بڑھ جاتی ہے۔ عیسائیت میں میل کچیل کی تعریف کی گئی ہے۔" سینٹ پال کہتے ہیں کہ" جسم اور لباس کی صفائی کا مطلب روح کی گندگی ہے۔ اسی لئے جوؤں کو خدا تعالیٰ کے موتیوں کا نام دیا گیا اور ان سے ڈھکا ہوا ہونا مقدس انسان کا طرۂ امتیاز قرار دیا گیا" اس اقتباس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ قرون وسطیٰ میں عیسائیوں کی تہذیبی حالت کیا ہوگی اور ان کے مقدس اور معزز لوگ کس طرح کی زندگی گزارتے ہوں گے۔

قرون وسطیٰ میں یورپ تہذیب کے کس درجہ پر تھا۔ اس کا اندازہ اس امر سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ ۱۰۳۰ء کے قحط میں لندن کے بازاروں میں انسانی گوشت برسر عام فروخت ہوتا تھا۔ فرانس کے ایک دریا ساؤں کے کنارے انسانی گوشت کی کتنی ہی دکانیں تھی۔ اس دور میں جاگیرداروں کے قلعے ڈاکوؤں کے اڈے تھے جو مسافروں کو لوٹنے اور ذبح کرنے کیلئے انہیں پکڑ لاتے تھے۔ یورپ کی یہ حالت کئی صدیوں تک رہی۔

مغرب پر اسلامی تہذیب کے اثرات :

اس بات کو اب اہل یورپ بھی تسلیم کرنے لگے ہیں کہ یورپ میں احیائے علوم کی تحریک اسلامی اثرات کے نتیجے میں شروع ہوئی۔ سب سے پہلے تو صلیبی جنگوں نے عیسائیوں کو اس بات کا موقع فراہم کیا کہ وہ اسلامی تہذیب کا قریب سے مطالعہ کریں۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ان صلیبی محاربین کی وساطت سے اسلامی تہذیب یورپ پہنچی اور عیسائیوں نے بڑے فخر سے اسے اپنالیا۔ اس دور میں معزز عیسائی خواتین مسلمان خواتین کے تتبع میں پردہ کرتی تھیں اور انکی گھریلو معاشرت اسلامی معاشرت سے متاثر تھی۔ پھر جب اسلامی یونیورسٹیوں سے فارغ التحصیل ہو کر عیسائی نوجوان اپنے اپنے ملک میں واپس پہنچے تو انہوں نے وہاں علوم وفنون کی اشاعت شروع کر دی۔ نتیجۃً یورپ میں احیائے علوم کی تحریک پیدا ہوئی جس نے دیکھتے ہی دیکھتے یورپی اقوام کو کہیں سے کہیں پہنچا دیا۔ اس طرح ہم بلا خوف وتردید کہہ سکتے ہیں کہ یورپ کی موجودہ ترقی اسلامی تہذیب کی مرہون منت ہے۔ "تشکیل انسانیت" میں رابٹ بریفالٹ لکھتا ہے کہ" عربوں کے نفیس سوتی' اونی اور ریشمی لباس نے یورپ کی نیم برہنہ آبادی کو عمدہ لباس کا شوقین بنا دیا تھا اور اس

قسم کے مناظر اکثر دیکھنے میں آتے تھے کہ ایک پادری اتوار کے روز گرجا میں خطبہ دے رہا ہے اور اسکی عباء پر قرآنی آیات کڑھی ہوئی ہیں۔ عورتیں بھی عربی لباس فخر سے پہنتی تھیں جو قرطبہ' اشبیلیہ اور سسلی میں تیار ہوتا تھا۔ صرف اشبیلیہ میں سولہ ہزار کرگھے تھے اور قرطبہ میں ریشم بافوں کی تعداد ایک لاکھ تیس ہزار تھی۔ انکی تیار کردہ عباؤں اور قباؤں پر قرآنی آیات کڑھی ہوتی تھیں جنہیں عیسائی بادشاہ اور پادری فخر سے پہنتے تھے۔''

سسلی کے نارمن حکمران راجر دوم (۱۱۰۵ء تا ۱۱۵۵ء) کا لباس اسلامی تھا اور اس پر عربی آیات لکھی ہوئی تھیں اس کے حرم میں مسلم سلاطین کی طرح کئی بیویاں اور لونڈیاں تھیں۔ اندلس کا مشہور جغرافیہ دان ابن جبیر ۱۱۸۴ء میں سسلی پہنچا۔ وہ وہاں کے بادشاہ ولیم دوم کے بارے میں لکھتا ہے کہ اس کے تمام خدام' خواجہ سرا اور دربان سب مسلمان ہیں اور اسکا سرکاری نشان " اَلحَمدُ لِلّٰہِ حَقَّ حَمدِہٖ " ہے۔ آرنلڈ "Leagacy of Islam" میں لکھتا ہے کہ برٹش میوزیم میں نویں صدی عیسوی کی ایک صلیب رکھی ہوئی ہے جس میں خط کوفی میں " بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم " لکھا ہوا ہے۔ تمدن عرب میں موسیو لیبان رقم طراز ہیں'' میلان اٹلی کے ایک کلیسا میں حضرت عیسیٰؑ کے سر کے گرد عربی حروف کا ایک ہالہ بنا ہوا ہے اور سینٹ پطرس کے لباس پر بھی عربی تحریر ہے۔''

مغربی زبانوں پر عربی اثرات :

جس طرح اسلامی تہذیب مغرب کو قرون مظلمہ سے نکال کر علمی روشنی کے دور میں لے آئی اسی طرح عربی زبان نے بھی یورپی زبانوں کو مالا مال کیا۔ انگریزی کے سینکڑوں الفاظ عربی سے مأخوذ ہیں مثلاً

عربی	انگریزی	اردو
جبل الطارق	جبرالٹر	جبرالٹر
ارض	ارتھ	زمین
انزال الانف	انفلوانزا	ناک بہنا
کفن	کافن	کفن
شاق	شاک	صدمہ
جمل	کیمل	اونٹ
قطن	کاٹن	روئی

اسی طرح جزیرہ مالٹا کی زبان نے بے شمار عربی الفاظ کو اپنے اندر جوں کا توں سمو لیا۔ مسلمان مالٹا میں ۸۷۰ء میں پہنچے تھے اور دو سو برس تک وہاں رہے۔ مالٹی زبان میں آج بھی عربی کے سینکڑوں الفاظ موجود ہیں مثلاً **خبز** (روٹی) **ماء** (پانی) **زیت** (تیل)اور **طفل** (بچہ)

ہالینڈ کے ایک فاضل موسیو ڈوزی ۱۸۸۳ء نے ان پرتگالی اور ہسپانوی الفاظ کی ایک لغات تیار کی ہے جو عربی سے ماخوذ ہیں۔ یہی مصنف لکھتا ہے کہ فرانسیسی اور اطالوی زبانوں میں عربی کے لاتعداد الفاظ شامل ہیں۔ اطالوی علم جہازرانی کی اکثر اصطلاحات عربی سے لی گئی ہیں۔

مغربی ادب پر اسلامی اثرات :

جس طرح اسلامی تہذیب اُس زمانے کی غالب تہذیب تھی اس طرح اسلامی ادب بھی اپنے زمانے کا حکمران ادب تھا۔ اسلامی ادب نے مغربی ادب پر دیرپا اثرات چھوڑے۔ متعدد عربی کتب یورپی زبانوں میں ترجمہ ہوئیں اور متعدد مغربی شعراء نے مسلمان شعراء کے تتبع میں نظمیں کہیں۔ انیسویں صدی عیسوی میں جرمنی' فرانس' ہالینڈ اور برطانیہ سے سینکڑوں عربی کتابیں شائع ہوئیں اور اب شاید ہی کوئی ایسی قابل ذکر عربی کتاب باقی ہو جو یورپ میں شائع نہ ہو چکی ہو۔

الف لیلیٰ عربی کی مشہور کتاب ہے جس کا پہلا ترجمہ ایک فرانسیسی سیاح گالینڈ نے ۱۷۱۵ء میں بارہ جلدوں میں شائع کیا۔ ۱۸۲۳ء میں فان ہمیر نے اسے جرمنی میں منتقل کیا اور تین سال بعد لیمب نے اس کا انگریزی ترجمہ شائع کیا۔ لیمب کے بعد لین نے ۱۸۴۱ء میں اس کا نیا ترجمہ شائع کیا۔ سر رچرڈ برٹن کا ترجمہ ۱۸۸۶ء میں مکمل ہوا اور ۱۸۹۷ء میں ایک جرمن ترجمہ چھبیس جلدوں میں شائع ہوا۔ اس کتاب کا ترجمہ ہسپانوی' اطالوی' پوش' ڈینش اور روسی زبانوں میں بھی ہو چکا ہے۔ یورپ میں ان کتابوں اور ان کے تراجم کا اثر یہ ہوا کہ اس دور کا ادب عربی سانچے میں ڈھل گیا۔ چاسر کی ''سکوئیرس ٹیل'' دراصل الف لیلیٰ کی ایک کہانی ہے اسی طرح ڈانٹے کی ڈیوائن کامیڈی (Devine Comedy) واقعہ معراج کا چربہ ہے۔ تیرہویں صدی ہجری میں ایک فرانسیسی ادیب نے ایک ناول لکھا جس میں عربی رنگ کی مجلسیں نظر آتی ہیں۔ اور ہیرو کا نام قاسم ہے۔ چودھویں صدی عیسویں ایک ہسپانوی شاعر نے یوسف زلیخا کا قصہ منظوم کیا۔ ڈاکٹر غلام جیلانی برق اپنی تصنیف ''ہماری عظیم تہذیب'' میں لکھتے ہیں کہ

''قرون وسطیٰ کے یورپ میں عربی ادب کا نفوذ ایک نعمت غیر مترقبہ تھا۔ لاطینی کا مفلس' بے جان اور بے کار ادب لوگوں کو مطمئن نہیں کر سکتا تھا۔ اس میں نہ لذت تھی نہ صداقت اور نہ گہرائی۔ دوسری طرف عربی ادب میں بلا کی توانائی' زندگی اور عظمت تھی۔ جسے نظر انداز کرنا یورپ کیلئے آسان نہ تھا۔ یورپ کا یہی وہ رجحان تھا جسے دیکھ کر وکٹر ہیوگو نے کہا تھا'' پہلے تمام دنیا یونانی تھی اور اب عربی ہے۔''

آپ اپنے مضامین بذریعہ ای میل بھی بھیج سکتے ہیں

editor_alhaq@yahoo.com